کرنسی نوٹ کی تین فقہی وضاحتیں

مولانا مفتی ذاکر حسین نعمانی

مفتی و استاذ جامعہ عثمانیہ پشاور

تمہید

دنیا کے کرنسی نظام میں انقلابات اور تبدیلیاں:-

کاغذی نوٹ پر کئی ادوار گزرے ہیں۔ پہلے اس کے پیچھے مکمل طور پر سونا ہوتا تھا جس کو (Gold-Bullion Standard) کہتے ہیں۔ پھر (fiduciary money) کا دور آیا جب کہ ان کے پیچھے مکمل طور پر تو سونا نہیں ہوتا تھا، لیکن مخصوص تناسب سے سونا ہوتا تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ تمام کرنسیاں ڈالر سے وابستہ تھیں اور ڈالر سونے سے وابستہ تھا، پھر ۱۹۷۱ء کے بعد امریکہ نے بھی سونا دینے سے انکار کر دیا تو اب نوٹ کے پیچھے کوئی چیز نہیں رہی نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت ''حامل ہذا کو اتنے روپے ادا کئے جائیں گے'' بے معنی ہوگئی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ اس کے آلہ تبادلہ ہونے پر اصطلاح محض ہے اس کے پیچھے کچھ نہیں ہے اب موجودہ صورتحال میں کاغذی نوٹ کی حیثیت کیا ہے؟ معاشیات کی اصطلاح میں اسکی دو تشریح کی جاتی ہیں (۱) زیادہ ماہرین معاشیات یہ کہتے ہیں کہ نوٹ کے پیچھے سونا اسلئے رکھا جاتا تھا کہ سونا بطور آلہ تبادلہ کے متعارف ہوگیا تھا ہر جگہ اور ہر ملک میں اس کی بنیاد پر تجارت ہوسکتی تھی اگر یہی مقصد کاغذی نوٹ سے سونے کو واسطہ بنائے بغیر حاصل ہو جائے اور وہ بطور آلہ تبادلہ کے متعارف ہو جائے تو سونے کو واسطہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ اس رائے کے مطابق نوٹ ایک خاص قوت خرید سے عبارت ہے یعنی اس نوٹ سے اتنی قیمت کی اشیاء خریدی جاسکتی ہیں، تو اب نوٹ کے پیچھے سونے کی بجائے غیر متعین ''متفرق اشیاء'' کا مجموعہ ہے جس کو عربی میں '' سلة البضائع '' کہتے ہیں

(۲) دوسری تشریح جو فقہی مزاج کے زیادہ قریب ہے وہ یہ کہ نوٹ کو زر اصطلاحی اور ثمن عرفی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اگر چہ اس کاغذ کی ذاتی قدر نہیں، لیکن اصطلاحاً اس کو ایک مخصوص مالیت کا آلہ تبادلہ قرار دیدیا گیا ہے۔ زیر نظر مقالہ (پیش کردہ برائے اسلام آباد فقہی سیمینار) میں اسی حیثیت کو تین فقہی نقطہائے نظر میں واضح کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

ذیلی عنوانات:

۱۔ کرنسی کے بارے میں پہلی رائے کی وضاحت

۲۔ کرنسی کے بارے میں دوسری رائے کی وضاحت

۳۔ تیسری رائے کی وضاحت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوٹ یعنی موجودہ کرنسی کی فقہی حیثیت کے بارے میں ہندوستان کے اکثر علماء کی ماضی قریب میں یہ رائے تھی کہ نوٹ وثیقہ یعنی قرض کی سند اور رسید ہے۔ لیکن اب قومی اور اتفاقی رائے جو سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر مالیت کا نوٹ خود مال اور ثمن عرفی ہے۔ بلکہ اب نوٹوں کی رسیدیں جاری ہوتی ہیں۔ مثلاً چیک، ڈرافٹ، پرائز بانڈ، جنکو اعتباری زر کہتے ہیں۔ اور دیگر مالی رسیدیں اس لئے اس رائے پر مزید تحقیق کی فی الحال ضرورت نہیں۔ البتہ ایک تیسری رائے بھی ہے کہ ایک روپیہ کا نوٹ خود مال ہے۔ اور پانچ، دس، پچاس، سو، پانچ سو اور ایک ہزار والے نوٹ ایک روپیہ والے مال کی رسید ہیں۔

کرنسی کے بارے میں پہلی رائے:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک روپیہ کا نوٹ خود مال ہے اس سے زکوٰۃ کی صحت میں کوئی اشکال نہیں۔ البتہ ایک روپیہ سے بڑا نوٹ مال کی رسید ہے (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۶۷) اس تیسری رائے کے غلط ہونے پر قدرے تفصیل پیش خدمت ہے۔ یہ رائے بظاہر درست ہے اس لئے کہ ایک روپیہ کے نوٹوں یا سکوں کے علاوہ بڑے نوٹوں پر یہ عبارت درج ہوتی ہے ''پانچ روپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا''۔ ''سو روپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا''۔

جبکہ ایک روپیہ کے نوٹوں یا سکوں پر یہ عبارت نہیں لکھی ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام بڑے نوٹ اس ایک روپیہ والے تمام سکوں کی رسیدیں ہیں۔

اس رائے کو اگر مان لیا جائے تو پھر ایک روپیہ اور اوپر کے بڑے نوٹوں کی مقدار برابر ہونی چاہئے۔ اگر ملک میں ایک روپیہ والے سکوں کی تعداد ایک کروڑ ہے تو تمام بڑے چھپے ہوئے نوٹ بھی ایک کروڑ روپیہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ بڑے نوٹ رسیدیں ہیں اور رسیدوں میں سچ سچ لکھا جاتا ہے لیکن عملاً ایسا نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر سکے کروڑوں کی تعداد میں ہیں تو بڑے نوٹ اربوں کی تعداد میں ہیں۔

تیسری رائے کے بطلان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر ملک لوگوں کی سہولت کی خاطر مختلف مالیت کے مختلف چھوٹے بڑے نوٹ چھاپتا ہے۔ ان تمام مختلف مالیت والے نوٹوں کیلئے ایک بنیادی اکائی مقرر کرتے ہیں جس کو معاشیات کی اصطلاح میں حساب زر، حسابی نوٹ اور حسابی اکائی کہتے ہیں۔ اس حسابی اور بنیادی اکائی کے ذریعے رقم کی گنتی ہوتی ہے، چیزوں کی قیمت بتائی جاتی ہے۔ اسی طرح اشیاء و خدمات کا حساب کیا جاتا ہے۔ یہی بنیادی اور حسابی اکائی ایک روپیہ سے بڑے تمام نوٹوں میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً پانچ روپیہ کے نوٹ

میں پانچ حسابی زر یا بنیادی اکائیاں موجود ہوتی ہیں۔اور سو روپیہ کے نوٹ میں ایک سو بنیادی اور حسابی اکائیاں موجود ہوتی ہیں۔اگر یہ بنیادی اکائی اور حسابی نوٹ نہ ہو تو تمام بڑے نوٹوں کی گنتی مشکل ہو جائیگی۔تمام اشیاء کی خرید وفروخت مشکل بلکہ ناممکن ہو جائیگی۔ دکاندار مبیع کی قیمت کیا اور کیسے بتائیگا گاہک ثمن کی ادائیگی کیسے کرے گا۔لیکن اس بنیادی اکائی کے وجود کی وجہ سے دکاندار کہتا ہے کہ مبیع کی قیمت دس روپیہ ہے، گاہک اگر راضی ہو تو دس روپیہ ادا کر دیتا ہے۔یہ اس بنیادی اکائی کے وجود کی برکت ہے، کسی چیز کا مہنگا یا سستا ہونا اسی بنیادی اکائی کی وجہ سے ہے۔تنخواہ کم یا زیادہ اسی حسابی زر کی وجہ سے مقرر کی جاتی ہیں، مال کی کمی اور زیادتی اسی حسابی زر سے معلوم کی جاتی ہے۔

بنیادی اکائی کی مزید وضاحت کیلئے عرض ہے کہ ایک وقت تھا کہ ایک روپیہ کیلئے بنیادی اکائی ایک پائی یا ایک پیسہ ہوتا تھا۔ایک روپیہ میں سو پائیاں یا چونسٹھ پیسے ہوتے تھے۔اسی طرح ایک روپیہ میں سولہ آنے ہوتے تھے۔ایک آنہ ایک روپیہ کیلئے بنیادی اکائی تھی۔لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ ایک آنہ مال ہے اور ایک روپیہ سولہ آنوں کی رسید ہے۔لیکن آہستہ آہستہ قوت خرید کم ہوتی گئی تو اب بنیادی اکائی ایک روپیہ بن گیا۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک روپیہ کے نوٹ پر جو عبارت درج ہے'' حکومت پاکستان ایک روپیہ'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف ایک روپیہ مال ہے۔اور بقیہ نوٹ اس کی رسیدیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک روپیہ مال اور ثمن عرفی ہونے کے ساتھ ساتھ حسابی زر اور بنیادی اکائی بھی ہے۔اور بقیہ نوٹ حسابی زر نہیں بلکہ صرف مال اور ثمن عرفی ہیں۔

ہر ملک کی کرنسی کی الگ الگ بنیادی اکائی ہے۔مثلاً روپیہ، درہم، دینار، ریال، ڈالر اور ین وغیرہ۔کرنسی کے علاوہ بعض دیگر امور میں بنیادی اکائی کا تصور ضروری اور موجود ہے۔مثلاً وزن کیلئے گرام کا وجود۔ایک گرام کے وجود کی وجہ سے لوگ کلو کے حساب سے چیزیں خریدتے ہیں۔ایک کلو میں ہزار گرام ہوتے ہیں۔

اسی طرح کسی چیز کو ناپنے کیلئے انچ کا تصور ہے۔اسکے بعد فٹ، گز، فرلانگ اور میل ہے، اگر انچ کا تصور نہ ہوتا تو فٹ، گز اور میل وغیرہ کی پہچان مشکل ہو جاتی۔

کرنسی کے بارے میں دوسری وضاحت:

نوٹ مثلی ہیں، قیمتی نہیں۔ہر ملک کی کرنسی کی بنیادی اکائیاں ایک دوسرے کے برابر ہوتی ہیں۔دیون کی ادائیگی نوٹوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔قرضوں میں دیئے جاتے ہیں اور قرض کا قانون بھی یہ ہے کہ ذوات الامثال قرضوں میں دیئے جاتے ہیں۔ذوات القیم مثلاً گوشت، مرغی وغیرہ کسی کو قرض نہیں دی جاتی۔کیونکہ دوبارہ اس کی ادائیگی کیلئے گوشت اور مرغی کا مثل موجود نہیں۔لہذا قیمتی اشیاء کو نقد یا ادھار خریدا جاتا ہے۔سونا، چاندی یا ان سے ڈھلے ہوئے سکوں کے تبادلہ کے وقت کمی بیشی تو از روئے نص حرام ہے۔لیکن دیگر چیزوں میں علت قدر اور جنس کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ قدر اور جنس کے مماثل پیدا ہو جائیگی جس کی وجہ سے تبادلہ میں تفاضل ناجائز ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں **والمماثلة بين الشيئين با عتبار الصورة والمعنى والمعيارى يسوى الذات والجنسية. تسوى المعنى فيظهر الفضل على ذلك فيتحقق الربا** دو چیزوں کے درمیان مماثلت صورت اور معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے اور معیار ذات میں برابر کرتا ہے، اور ہم جنس ہونا معنی میں برابری کرتا ہے۔ پس زیادتی اسی پر ظاہر ہوگی اور ربا متحقق ہوگا (باب الربا)

دو چیزوں کے درمیان مماثلت صورت اور معنی کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ قدر تساوی فی المعیار کا نام ہے۔ یعنی صورتاً مماثلت اور جنسی تشاکل فی المعانی کا نام ہے یعنی معانی کے اعتبار سے ہم شکل ہونا۔ اس طرح قدر اور جنس کے ملنے سے جو چیز حاصل ہوتی ہے ان میں تماثل ہوگا۔

اس تشریح کے بعد ہر ایک ملک کی کرنسی کے تبادلہ میں تفاضل کی حرمت کیلئے قدر جنس تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قدر اور جنس کی تلاش تماثل پیدا کرنے کیلئے ہوتی ہے اور کرنسی کی بنیادی اکائیوں میں اعلی پیمانے پر تماثل اور مساوات موجود ہے۔

الاشباہ والنظائر للسیوطی میں ہے **مالا يختلف اجزاء النوع الواحد منه بالقيمة** جن میں ایک ہی نوع کے مختلف اجزاء میں قیمت کے اعتبار سے تفاوت نہ ہو۔ (ج ۲ ص ۲۱۹)

مثل کی یہ تعریف ہر ملک کی کرنسی، نوٹوں پر صادق آتی ہے۔ ہر ملک کی کرنسی ایک نوع ہے اور ہر بنیادی اکائی مثلاً روپیہ، درہم، دینار وغیرہ اسکے اجزاء ہیں۔ تمام اجزاء یعنی ہر بنیادی اکائی دوسری اکائی کیساتھ قیمت کے اعتبار سے برابر ہیں۔ ہر اکائی کی ایک قوت خرید ہے۔ مثلاً ایک روپیہ کی ایک ٹافی ملتی ہے تو روپیہ کے عوض ایک ٹافی کا حصول اسکی قوت خرید یعنی قیمت ہے۔ پانچ روپیہ کے نوٹ میں پانچ بنیادی اکائیاں موجود ہیں۔ اس نوٹ کی قوت خرید پانچ ٹافیاں ہوں گی۔ دکاندار کے پاس جو بھی ایک روپیہ لیکر جائیگا اس کو ایک ٹافی ملے گی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص کی بنیادی اکائی یعنی روپیہ کی قوت خرید دو ٹافیاں ہیں اور دوسرے کی ایک۔ ان بنیادی اکائیوں کے تماثل کیوجہ سے تبادلوں کے وقت تفاضل ناجائز ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ مثلی کے بارے میں فرماتے ہیں **ومنها ان يكون ..... مثل كالمكيلات والموزونات والعدديات المتقاربة** (ج ۸ ص ۳۹۰) یعنی عددیات متقاربہ کو بھی مثلی کہا گیا ہے۔ اور موجودہ کرنسی کا حکم فلوس نافقہ کیطرح ہے۔ جس طرح فلوس نافقہ عددی ہیں۔ اسی طرح نوٹ بھی عددی ہیں۔ دونوں کے افراد یعنی بنیادی اکائیوں میں تماثل ہے۔

جسطرح فلوس نافقہ میں تبادلہ کے وقت تفاضل ناجائز ہے اسی طرح ایک ملک کی کرنسی میں تبادلہ کے وقت تفاضل ناجائز ہوگا۔

مبسوط میں ہے **وامامصنوع لا يختلف كالدراهم والدنانيز والفلوس وكل ذالك مثلى**

فلوس کو مثلی کہا ہے۔ اور سود مثلی اشیاء میں بنتا ہے۔ اسلئے کہ مثلی کے ہر فرد کیطرف ہر شخص کی رغبت حاجت اور ضرورت برابر ہوتی ہے۔ لہذا تبادلہ کے وقت کمی بیشی کیلئے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔

کرنسی کے بارے میں تیسری وضاحت:

کرنسی جب ذوات الامثال سے ہوئی تو دیون اور قرضوں کی واپسی کے وقت اس کی قوت خرید میں کمی عیب ہے۔ اس کی تلافی کی کیا

صورت ہے؟ دیگر ذوات الامثال مثلاً گندم اور مکئی وغیرہ میں اپنی ذاتی قدر و قیمت ہوتی ہے جب بھی واپس کی جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن کرنسی کی ذاتی قدر بالکل نہیں۔ اس کی قدر قوت خرید ہے۔

ہندوستان کے بعض علماء کرام نے طویل المیعاد قرضہ جات اور دیون کی واپسی کے وقت قوت خرید کی کمی کو پورا کرنے کیلئے سونے کو معیار بنایا ہے مثلاً کسی نے ایک لاکھ روپیہ آج قرض لیا جس کے عوض دس تولہ سونا ملتا ہے۔ دو سال بعد جب قرضہ واپس کرنا چاہا تو ایک لاکھ کے عوض نو تولہ سونا ملتا تھا۔ تو قرض دار ایک تولہ سونا کی مزید رقم دیگا۔ اس طرح ایک لاکھ روپیہ کی قدر میں جو کمی آئی تھی وہ پوری ہو جائیگی۔

مگر یہ تاویل قابل غور ہے۔ اسلئے کہ کرنسی کی قوت خرید کیلئے صرف سونے کو معیار بنانا اور دیگر بے شمار اشیاء سے صرف نظر صحیح نہیں۔ سونے کو معیار بنا کر قوت خرید کے عیب کی بظاہر تلافی ہو جائیگی۔ لیکن ممکن ہے کہ اس مدت میں اگر دیگر اشیاء کو معیار بنایا جاتا تو اتنا عیب نہ ہوتا۔ تو اس بات کا امکان رہے گا کہ قرض خواہ کو زیادہ رقم مل گئی۔ اس لحاظ سے **کل قرض جر نفعا** کے تحت سود کا شبہ ضرور ہوگا۔

علاوہ ازیں کرنسی کے علاوہ مثلی اشیاء کی واپسی کے وقت پتہ چلتا ہے کہ مثل موجود ہے یا نہیں، اگر مثل ناپید ہے تو قیمت ادا کی جائیگی۔ لیکن بائع اگر مشتری کے ہاتھ مثلاً ایک ٹن گندم فروخت کرے اور مشتری کہے کہ ثمن دو سال بعد ایک لاکھ ادا کرونگا۔ تو بائع ابھی سے کہدیگا کہ فی الحال اس دین کے عوض جو سونا ملتا ہے تو دو سال بعد اس سونے کی مقدار کرنسی وصول کرونگا کیونکہ قوت خرید لازماً گھٹتی ہے۔ اس صورت میں ثمن مجہول ہو جائیگا پتہ نہیں چلا کہ بائع نے گندم ایک لاکھ کرنسی کے عوض فروخت کی یا سونے کے عوض، تو بیع فاسد ہو جائیگی۔

ایک اشکال یہ بھی ہے کہ بینک عموماً قرض کا لین دین کرتا ہے اور بینکوں میں اصلاً یہی قرض والا سودی کاروبار ہوتا ہے۔ بینک سودا وغیرہ فروخت نہیں کرتے تاکہ دین بنکر معیاد مقرر کرنا صحیح ہو جائے بلکہ بینک رقم قرض دیتا ہے، یا لیتا ہے۔ اس لحاظ سے رقم قرض دیتے وقت معیاد مقرر کرنا صحیح نہیں۔ صاحب ہدایہ ؒ فرماتے ہیں" **وکل دین حال اذا اجله صاحبه صار مؤجلا لماذکرنا القرض فان تأجیله لایصح لانه اعارة وصلة فی الابتداء حتی یصح بلفظ الاعارة ولا یکلکه من التبرع کالوصی والصبی و معاوضة فی الانتهاء فعلیٰ اعتبار الابتداء لایلزم التاجیل فیه کما فی الاعارة فلا جبر فی التبرع وعلی اعتبار الانتهاء لایصح لانه یصیر بیع الدراهم بالدراهم نسیة وهو ربوا**" اور ہر دین معجّل کیلئے جب صاحب دین معیاد مقرر کردے تو مؤجل بن جاتا ہے۔ سوائے قرض کے کیونکہ قرض کو مؤجل کرنا صحیح نہیں اسلئے کہ یہ ابتداء اعارہ اور تبرع ہے حتی کہ اعارہ کے لفظ کیساتھ صحیح ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص تبرع کا مالک نہیں ہوتا وہ اسکا بھی مالک نہ ہوگا جیسے وصی اور صبی۔ اور انتہاء میں معاوضہ ہے۔ پس ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے اسمیں معیاد لازم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اعارہ میں اسلئے کہ تبرع میں جبر نہیں۔ اور انتہاء کا اعتبار کرتے ہوئے معیاد صحیح نہیں کیونکہ یہ دراھم کی بیع دراھم کے عوض ادھار ہو جائیگی۔ حالانکہ یہ ربا ہے (ص ۷۶)

قرضہ ابتداءً احسان اور تبرع ہے۔ اسلئے بچہ، غلام اور وصی کسی کو قرضہ نہیں دے سکتے۔ معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ بینک میں اکاؤنٹ نہیں کھول سکتا۔ کیونکہ بینک کو رقم دینا بینک کو قرض دینا ہے جو احسان ہے اور بچہ اس کا اہل نہیں۔

انتہاء کے اعتبار سے قرضہ معاوضہ ہے۔ کیونکہ قرض دینے کے بعد اس کا بدل اور مثل وصول کیا جاتا ہے۔ قرضہ کی ابتدائی حالت کے اعتبار سے قرض میں معیاد لازم نہیں جیسے عاریت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ عاریت پر دینا احسان ہے اور میعاد مقرر کرنے سے عاریت پر دینے والے پر جبراً لازم آئے گا۔ اسلئے کہ معیاد سے قبل عاریت والی چیز واپس نہیں لے سکے گا۔ اس طرح قرضہ میں بھی معیاد لازم نہ ہوگی۔ اپنا احسان اس کو مہنگا پڑ جائیگا۔ اور انتہاء کے اعتبار سے معیاد مقرر کرنا اسلئے صحیح معیاد سے قبل عاریت والی چیز واپس نہیں لے سکے گا۔

اس طرح قرضہ میں بھی معیاد لازم نہ ہوگی۔ اپنا احسان اس کو مہنگا پڑ جائیگا۔ اور انتہاء کے اعتبار سے معیاد مقرر کرنا اسلئے صحیح نہیں کہ بیع الدرہم بالدرہم نسیئہ ہو جائیگا۔ اور دراہم کا دراہم کے عوض ادھار بیچنا ربوا ہے، اگر چہ دراہم میں کمی یا زیادتی نہ ہو۔ اور ربوا کے لازم آنے سے قرض فاسد ہو جائیگا۔ حالانکہ قرض کا معاملہ شرعاً مندوب ہے۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں **والاجل لایلزم فی القرض سواء کان مشروطا فی العقد أومتا خرا عنه بخلاف سائر الديون** قرض میں معیاد مقرر کرنا صحیح نہیں خواہ معیاد عقد کے دوران مقرر کی جائے یا بعد میں بخلاف دیون کے یعنی اگر قرض سودا فروخت کیا تو ذمہ پر لازم ہونے والے ثمن کیلئے معیاد مقرر کردے (بدائع ج ۷ ص ۳۹۷)

اس تفصیل کے بعد غور و فکر کریں کہ بینکوں کا کاروبار ہی طویل المعیاد قرضے ہوتے ہیں۔ اگر لوگ بینکوں کیساتھ سونے کو معیار بنا کر کرنسی کے ادھار کا معاملہ شروع کردیں تو ضرور معیاد مقرر کریں گے۔ اور قرضوں میں معیاد مقرر کرنا مذکورہ تفصیل کے مطابق صحیح نہیں۔ اگر قرض خواہ قرضہ دیتے وقت معیاد مقرر کردے تو اس کیلئے معیاد پوری ہونے سے قبل قرضہ واپس لینا مشکل ہو جائیگا۔ حالانکہ قرضہ دینے والا کسی بھی وقت مقروض سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اسلامی تجارت کے بنیادی اصول نامی کتاب میں لکھا ہے کرنسی نوٹ قرض دینے کیصورت میں قرض کی قیمت کے مساوی کرنسی نوٹ واپس کرنا واجب ہے۔ اگر چہ واپسی کے وقت کرنسی نوٹ کی قوت خرید میں کمی آگئی ہو (ص ۵) اسی کتاب میں بحوالہ درمختار لکھا ہے سکے اور کرنسی کی قیمت گھٹ جائے یا بڑھ جائے لیکن وہ رائج اور مستعمل ہوں تو قرض کی واپسی میں اتنی ہی مقدار میں سکے اور کرنسی نوٹ دیئے جائیں گے جتنے قرض میں لئے تھے۔ قرض میں لئے گئے مقدار میں قرض دینے والے کیطرف سے اضافہ کا مطالبہ جائز نہیں (۵)

المجمع البحوث الاسلامی فی الافتاء والقضاء کا فیصلہ:

المجمع البحوث الاسلامی فی الافتاء والقضاء کے اراکین نے بھی متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ اوراق مالیہ کاغذی سکے حقیقی اثمان سونا و چاندی کے قائم مقام ہیں۔ ان کے وہی احکام ہیں جو حقیقی اثمان کے ہیں، لہٰذا جس کے پاس سکہ رائج الوقت بقدر نصاب موجود ہو اس پر زکوٰۃ، حج، قربانی وغیرہ شرعی ذمہ داریاں عائد ہوں گے اور جس مال پر زکوٰۃ واجب ہے اسی میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے، اس لئے دس یا سو روپے کے سکوں سے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، نوٹ سے زکوٰۃ وصول کرنے والے کے قبضہ سے اگر نوٹ ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ دینے والے کے ذمہ دوبارہ زکوٰۃ دینا نہ ہوگی (بحوالہ جواہر الفتاویٰ ج ۲/ ۶۸) (اضافہ از ادارہ)